بے رنگ پیا
امجد جاوید
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

بے رنگ پیا

امجد جاوید

"بے رنگ پیا" کے حقوق طبع و نقل بحق مصنف (امجد جاوید) محفوظ ہیں۔

https://paksociety.com https://paksociety.com https://paksociety.com

رنگ ایک ہی ہے اور وہ ہے اللہ کا رنگ۔ اگر کوئی صبغت اللہ میں اپنے آپ کو ڈبونا چاہتا ہے تو اس کے لئے ہر آلائش سے پاک ہونا ضروری ہے۔

بے رنگی کا آغاز اس وقت ہوتا ہے، جب عشق انسان کا محور و مرکز بن جاتا ہے۔ یہ عشق ہی ہے جو روح کو اصل سے جوڑتا ہے، فطرت کے راز کھولتا ہے، غور و فکر کے دریچے وَا کرتا ہے اور فطرت کی طرف یوں مائل کرتا ہے کہ انسان غیر محسوس انداز میں نکھرتا چلا جاتا ہے۔

بے بہار نگوں کی دنیا میں رَبّ تعالیٰ کا راستہ اختیار کرنے والے کی راہ میں بہت سی کٹھنائیاں آتی ہیں۔ ایسے میں اگر ایک مردِ کامل کی صحبت میسّر آجائے تو زندگی کا عنوان بدلتا چلا جاتا ہے۔، جینے کا ڈھنگ اور سوچ کا اسلوب تبدیل ہونے لگتا ہے، ذات میں ایسی کشش پیدا ہوتی ہے کہ دیکھنے والے اسی اُور کھنچے چلے جاتے ہیں اور خود کو بھی اُسی رنگ میں رنگنا چاہتے ہیں جو تمام رنگ لئے پِیّا سے قریب کر دے۔

جناب امجد جاوید صاحب نے کچھ ایسا ہی پیغام اپنے ناول "بے رَنگ پِیّا" کے مختلف کرداروں کے ذریعے قارئین تک پہنچانے کی بہت خوبصورت اور کامیاب کوشش کی ہے۔ رَبّ تعالیٰ ان کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور زورِ قلم کو مزید سوا کرے۔ (آمین)

سرفراز اے شاہ

۳ فروری ۲۰۱۷

"بے رنگ پیا"
عشق کی بے رنگ تفسیر

امجد جاوید کی تخلیق "بے رنگ پیا" عشق کی بے رنگ تفسیر ہے۔ اس ناول سے نہ صرف امجد جاوید کے ہنر اور ذوق کا اظہار ہوتا ہے، بلکہ اس سے مجھے یہ لگا کہ ان کے من میں بسا ہوا صوفی کس طرح سے دھونی رمائے بیٹھا ہے۔ عشق اور تصوف میں رَچی ہوئیں انتہائی سادہ سے انداز میں کہا گیا فکر، ہمارے معاشرے میں موجود حقیقی کرداروں کو لے کر بُنی ہوئی کہانی کا رچاؤ، ایک ایسا خوبصورت امتزاج ہے، جو عام طور پر کم ہی دکھائی دیتا ہے۔ دراصل یہ نام "بے رنگ پیا" ہی توجہ لے لیتا ہے۔ پہلا سوال ہی یہ ابھرتا ہے کہ یہ "بے رنگی" کیا ہے؟ تصوف کی ایک اصطلاع ہے۔ جس میں انسان سارے رنگوں کو ایک طرف رکھ کر صرف ایک ہی رنگ میں جانا چاہتا ہے، وہ رنگ جسے صبغت اللہ کہا گیا یعنی اللہ کا رنگ۔ (اللہ ہی آسمانوں اور زمین کا نور ہے) اللہ کا رنگ کیا ہے، یہ ناول دراصل اسی بے رنگی کی تشریح اور اس عملی پہلو کا بیان ہے، جسے انسان اپنا سکتا ہے۔ انتہائی منفرد موضوع کو کہانی کے بیان میں خوب نبھایا گیا ہے۔

"بے رنگ پیا" کی شروعات، عام سے کرداروں کے ساتھ کیمپس کے ماحول سے ہوتی ہے۔ بالکل اس طرح سے جیسے چشمہ پھوٹ پڑتا ہے۔ کہانی کے بہاؤ کے ساتھ قاری بڑھتا ہے تو خود بہتا چلا جاتا ہے۔ پھر قاری پر غیر محسوس انداز میں ایک نئی دنیا کُھل جاتی ہے۔ قاری اس کھوج میں لگ جاتا ہے کہ اس کا مطلوبہ بے رنگ پیا ہے کہاں پر؟ کہاں ملے گا، کس کردار سے جھانکے گا؟ بنیادی طور پر اس کہانی کے تین کردار ہیں، آیت النساء، طاہر حیات باجوہ اور سرمد، ان تین کرداروں کی تکون، طلب طالب مطلوب، عاشق، معشوق اور عشق پر جا کر منتج ہوتی ہے۔ جب تک عاشق معشوق نہیں ہو جاتا اور معشوق عاشق نہیں بن جاتا، تب تک وہ مقام عشق پر فائز نہیں ہوتا۔ یہ سفر بے رنگ ہوئے بنا طے نہیں ہو سکتا۔ دراصل یہی وہ فلسفہ ہے، جو "بے رنگ پیا" کا محور ہے۔

"بے رنگ پیا" میں عشق کی تفسیر بالکل منفرد ہے۔ آج کے جدید دور میں جب انسان خلاؤں تک جا پہنچا اور دوسری طرف انسان کے انسان ہی کے باطن تک کو سمجھنے کی تگ و دو میں ہے۔ انسان کے بنائے جدید ترین آلات سے لے کر انسان کے سماجی علوم تک رسائی، کیا یہ سب کسی کے عشق کی داستان نہیں سناتے؟ کیا یہ بنا عشق ہی کے ہو گیا؟ ضروری نہیں کہ عشق کسی حسین عورت کی مرہون منت ہو۔ عشق جہاں اس کائنات کو سمجھنے کے لئے قوت دیتا ہے وہاں انسان سے انسان کو جوڑنے کی بھی صلاحیت رکھتا ہے۔ یہ تبھی ممکن ہوتا ہے جب انسان، انسانیت کے لئے کسی بھی منفی جذبے کو اپنے اندر نہیں رکھتا، وہ بے رنگ ہوتا ہے۔ تبھی بے رنگ

عشق کے ساتھ رسائیاں حاصل کرنے کی استعداد حاصل کر لیتا ہے۔ عشق وہ نہیں جو دو لوگوں کو جوڑتا ہے، بلکہ عشق وہ ہے جو مرکز سے جڑ کر کائنات کی وسعتوں میں پھیل جاتا ہے۔ ناول کا ماحول حیات اور کائنات سے نبرد آزمائی کا حوصلہ عطا کرتا ہے۔ عاشق کہتے کسے ہیں؟ عاشق کیا ہوتا ہے؟ معشوق کسے کہتے ہیں؟ بے رنگی کیا ہے؟ بے رنگ عشق کیا ہے؟ اور بے رنگ پیا کی حقیقت بیان کرتا یہ ناول اپنی انفرادیت برقرار رکھتا ہے۔

اس ناول کا سب سے اہم پہلو سید ذیشان رسول شاہ کا کردار ہے، جن کے افکار بے رنگی کی تشریح کرتے ہیں۔ عشق کے مراحل، رنگ، بے رنگ، صبغت اللہ میں مدغم ہونا، ذات کا عرفان حاصل کرنا۔ اس کائنات میں انسان کے ورود کی اہمیت اور مقصد، اور سب سے بڑی بات انسان سے انسان کا تعلق۔ ناول کے باقی کردار ان کے افکار کی عملی تشریح کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ یوں لگتا ہے کہ ناول کی اصل جان یہی افکار ہیں۔ ان افکار کو پیش کرنے کا انداز اور ہنر بہت خوب اور قابل تعریف ہے۔ زبان و بیان کے گنجلک چٹکارے، تشریح و تشبیہات میں فکر کہیں گم نہیں ہوا۔ سوال اٹھتے ہیں اور جواب بھی ساتھ میں ملتے ہیں۔ یوں جیسے کسی بھی زندہ تحریر سے انسپائریشن ملتی ہے۔ میرے خیال میں فکر کو خاص حلقوں سے نکال کر عوام تک رسائی دینے کی یہ ایک مقدس کوشش ہے۔ نامعلوم سے معلوم تک کا سفر، کھوج اور بقا کا انسانی سرشت کے ساتھ تعلق ہونا فطری امر ہے، لیکن اس کا ادراک کیونکر ممکن ہے اور کیسے ممکن ہے۔

ناول یا کہانی کا سب سے اہم عنصر دلچسپی کا آخری لفظ تک برقرار رہنا، "بے رنگ پیا" میں یہ عنصر پوری طرح موجود ہے۔ عشق و محبت کی اپنی تمام تر خوبصورتی کے ساتھ بیان کرتا یہ ناول آج کے دور کی طوفانی محبت والے نوجوانوں کو عشق کا رنگ سمجھا نے اس کی ذہنی سطح کے مطابق عام زبان و الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے تاکہ سمجھنے میں دشواری نہ ہو۔ میرے خیال میں یہ ناول سنجیدہ طبقے ہی میں نہیں، ہر اس متلاشی کے دل میں جگہ بنائے گا، جو حقیقت تک رسائی کی کوشش میں ہے۔

یہ ناول مایوسی نہیں حوصلہ دیتا ہے اور حوصلہ ہی وقت کی سچائی ہے۔

جاوید چوہدری

اسلام آباد۔ 21 فروری 2017

https://paksociety.com https://paksociety.com

"بے رنگ پیّا"

ایک بے رنگ مجسم وجود

ہر خواہش کا ایک جسم ہوتا ہے۔ چہرہ ہاتھ پاؤں، پورا ناک نقشہ، یہ سب مل کر ہی اس کا وجود مکمل کرتے ہیں۔ ہر خیال، ہر تحریر اور ہر ایک ناول بھی مجھے لگتا ہے ایک وجود، ایک جسم رکھتے ہیں۔ اگر اس بات سے آپ اتفاق کر لیتے ہیں تو یقین مانئے، اس وقت آپ کے ہاتھوں کے پیالے میں ایک خوب صورت وجود ہے۔ امجد جاوید کہتے کم ہیں، لکھتے زیادہ ہیں اور سچ کہوں تو خوب لکھتے ہیں۔ عمر خیام نے لکھتے لکھتے اپنی کمر دوہری کروالی تھی۔ امجد کا بھی ارادہ کچھ ایسا ہی لگتا ہے۔ بظاہر اس نے لمبی چوڑی دنیاداری کے لمبے چوڑے جھنجھٹ نہیں پالے، لاہور سے دور ایک بستی میں گھر بسایا ہے جو صحرائے چولستان کی روہی کنارے آباد ہے۔ صوفی شاعر خواجہ غلام فرید نے اسی روہی کے بارے میں کہا ہے کہ "روہی رنگ رنگیلڑی" میں سمجھتا تھا، صحرا کیسے رنگین ہو سکتا ہے، لیکن اب سمجھ میں آتا ہے کہ صحرا اور خاص طور پر روہی، ایسے ہی لوگوں کی وجہ سے رنگین ہے، جو بے رنگی میں بسے ہوئے ہیں اور بے رنگ ہونے کا پیغام عام کرتے ہیں۔ پھر کسی روز ہم پڑھیں کہ امجد، حاصل پور میں بیٹھ کر جے کے رولنگ کی طرح لکھے کہ میرے پاس اندھیرے کمرے، ٹوٹے ٹائپ رائٹر کے علاوہ اس کمرے میں اتنے بڑے بڑے خواب اور خیال تھے کہ وہاں سماتے ہی نہ تھے۔ وہ پِیّا کے سارے رنگوں کو بے رنگ کر کے دیکھتے تھے۔ پیا کے رنگ بہت سُنے تھے۔ ایک کالا دیکھا بھی اور پوچھا بھی کہ یہ پِیّا ہی کیسا جو کالا ہو، کالی تو رات ہوتی ہے، نصیب ہوتے ہیں، ہاں بعض دل اور چہرے بھی اس رنگ میں رنگے جاتے ہیں اور اپنی پہچان ہی بھلا بیٹھتے ہیں، دلوں سے اُتر جاتے ہیں۔

امجد جاوید کو میں کئی برسوں سے دیکھ رہا ہوں کہ خواب اس کی انگلی پکڑے ساتھ ساتھ چلتے ہیں اور وہ ان خوابوں کے ساتھ بستا ہے، ان خوابوں کو لفظ کے ساتھ ایک وجود دیتا ہے۔ یوں جیسے کوئی سفال گر، مٹی کے ساتھ رہتا ہے، اسے چاک پر رکھتا ہے اور پھر ایک ایک پیالے بنتے چلے جاتے ہیں، ہر پیالہ اپنی الگ خصوصیت رکھتا ہے، اس کے ناول گویا وجود ہیں، پیالے ہیں، ابھی ایک پیالے سے سیراب ہوئے زیادہ وقت نہیں ہوتا، وہ مزید ایک خوشنما پیالہ پکڑے کھڑا ہوتا ہے۔ شکر ہے ابھی خوابوں پر کوئی محصول نہیں لگا۔

جناب مستنصر حسین تارڑ نے " ایک سفر اچھا لگا" پر کہا کہ جب تک پڑھ نہیں لیا، سویا نہیں، اور ایک ہی رات میں مکمل کیا۔ اصل پِیّا رنگ ڈھونڈنے میں مجھے چار راتیں لگیں۔ بہت سی کتابوں اور تحریروں کا معاملہ بالکل ایسا ہوتا ہے اسی لئے روز دلوں کا

سکھ اور چین چھین لیتی ہیں۔ بے یقینی، بے اطمینانی اور ناخوشی سے پڑھنے والوں کی نگاہوں اور سوچوں کو بھر دیتی ہے، پڑھنے والے بے چارے وہاں خوشی، اطمینان اور نئے پن کے اُونٹ تلاش کرتے ہیں۔ "بے رنگ پیّا" پڑھتے پڑھتے یوں لگا، لفظوں کے جنگل میں کھونے کی بجائے مثبت قدروں سے بنے کسی خوشنما اور خوبصورت باغ کی سیر کا موقع ملا ہے۔

آیت النساء اور طاہر باجوہ، عشق کی رمزیں کھولتے، حیران کرتے بہاول پور سے لاہور کا سفر کراتے رہے۔ اس قدر اور عمدہ اور مضبوط پلاٹ، اور اتنی رواں کہانی کے بیچوں بیچ اتنے مشکل تصورات کو عام فہم، آسان اور بامعنی بنانا کب آسان رہا ہو گا۔ کتنی کتابوں کتنی آیتوں اور کتنی راتوں نے اس تخلیق کو بُننے کے دوران سینچا ہو گا۔ کوئی خیال، کوئی تصور، طاقتور دلیل کی بنیاد بنا جڑیں ہی نہیں پکڑ سکتا۔ "میں جانتا ہوں کہ میں کچھ نہیں جانتا" کی اس قدر دل پذیر وضاحت کی میں بالکل توقع نہیں کر رہا تھا۔ مسلسل کھوج کا تصور جو آج ہے وہ کل سچ نہیں رہتا۔ ایک انسان کی محبت کب اور کیسے پوری کائنات کی محبت میں بدلتی اور ڈھلتی ہے، آپ ذرا پڑھ لیں پھر بتائیے گا کہ کہانی کسی فیچر فلم کے سے ٹمپو کے ساتھ نہیں چلتی رہی؟ الہی۔! ایسی گرفت، ایسی جاذبیت کہ نگاہوں کو تھام کے رکھے، وہ بھی چار راتیں مسلسل، مجھے صفت کے تصور سے خوبی اور خامی کے فلسفے کی تشریح نے بہت مزہ دیا۔ اس مثبت اور منفی صفات کا ساتھ ہی پیّا کو وہ رنگ دیتا ہے کہ وہ صبغت اللہ بن جاتا ہے۔ محبت ایسی صفت ہے کہ انسان، انسان سے جڑتا ہے اور بالآخر کائنات سے جو لامحدود ہے اور جڑنے والے بھی محدود نہیں رہنے دیتی، بے رنگ کر دیتی ہے۔ اس ناول میں نہ تو ناخوشی کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں اور نہ ہی بے صبری، بے یقینی، اور بے اطمینانی سے بھرنے والی کسی کہانی کا راج ہے۔ کچھ باتیں آپ کے خیالات سے مختلف بھی ہوئیں تو وہ بھی "اری ٹیٹ" نہیں کریں گی، دھیرے سے اپنی سوچ کے ساتھ ہم آہنگ کر لیں گی۔

امجد جاوید! سلامت رہو، سوچنے، رُکنے، ٹھہرنے اور غور کر کے زاویہ نگاہ بدلنے کا کیا عمدہ کام کیا ہے۔ اب چاہے کسی کا پیّا بے رنگ نہ بھی ہو، کالا بہر حال نہیں رہے گا، نہیں بنے گا۔ تمہارے پیّا کا وجود بے رنگی، چہرہ اور ناک نقشہ مجھے تو کافی دیر یاد رہے گا۔

اختر عباس

3مارچ2017ء (رات گئے)

https://paksociety.com

"بے رنگ پیا"

بے رنگ کہانی، بے رنگ پیغام

جس طرح ایک حقیقی سالک قدم بہ قدم آگے ہی بڑھتا چلا جاتا ہے، اس پر مشاہدہ کے نت نئے انکشافات ہوتے ہیں، زندگی اور زندگی سے متعلق نئے خیالات کا ظہور ہوتا ہے، جس سے نہ صرف عشق دوام پاتا ہے بلکہ حقیقت مزید واضح اور روشن ہوتی چلی جاتی ہے۔ بالکل اسی طرح جناب امجد جاوید کا سفر جاری ہے۔ مجھے نہیں اندازہ اسے گیان کہوں، دھیان کہوں یا عرفان کہوں، تاہم "بے رنگ پیا" ان کا ایسا ہی ناول ہے جس کا مطالعہ کرتے ہوئے سوال بھی اٹھتے ہیں اور جواب بھی ملتے چلے جاتے ہیں۔ آخری لفظ پڑھ لینے کے بعد جو کیفیت طاری ہوتی ہے، اسے بے رنگ کیفیت ہی کہا جا سکتا ہے۔

"بے رنگ پیا" کی کہانی اپنی انفرادیت تو رکھتی ہی ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ کہانی میں دلچسپی کا عنصر پوری طرح موجود ہے۔ ایک طرف اگر اپنا نکتہ نظر پیش کیا گیا ہے تو اس کی عملی تفسیر کو بھی بیان کر دیا گیا۔ یوں یہ کہانی محض لفاظی نہیں رہ جاتی بلکہ اس کے ساتھ اسے عملی صورت کے طور پر بھی پیش کیا گیا، یہ اس ناول کی ایک مزید انفرادیت ہے۔ کیونکہ اس ناول میں جن کرداروں کے ساتھ کہانی کی بُنت کی گئی ہے وہ ہمارے معاشرے کے وہ حقیقی کردار ہیں، جنہیں ہم پوری طرح جانتے ہیں اور پہچانتے بھی ہیں۔ انہی عام کرداروں کے ساتھ ایک خاص کہانی پیش کرنا، موضوع پر گرفت اور ہنر کا غماز ہوتا ہے۔

"بے رنگ پیا" کا موضوع انتہائی شاندار ہے۔ رنگ ہماری زندگی میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ ہم ان رنگوں کے ذریعے اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہیں، ہم اپنی شناخت کی علامت بنا لیتے ہیں۔ مختلف قومیں، قبائل، گروہ اپنی انفرادیت کی حیثیت کو رنگوں سے پیش کرتی ہے۔ لیکن۔! بے رنگی ایک ایسی علامت ہے، جس سے سارے رنگ ہی پھوٹتے ہیں، وہ بے رنگی کیا ہے؟ بظاہر یہ موضوع جتنا مشکل دکھائی دیتا ہے، جناب امجد جاوید نے اسی موضوع کو انتہائی سادہ انداز میں کامیابی سے ناول کی صورت دی ہے۔

"بے رنگ پیا" آپ کے سامنے پیش کرتے ہوئے میں نہ صرف دلی مسرت محسوس کر رہا ہوں بلکہ ایک بہترین موضوع کے اضافے پر دلی اطمینان بھی حاصل ہے۔ مجھے امید ہے کہ اس ناول کے مطالعہ کے بعد آپ بھی میری طرح محسوس کریں گے۔ نیک خواہشات۔

گل فراز احمد

https://paksociety.com https://paksociety.com

مقامِ جستجو ٹھہرا

"کہانی۔! علم رکھتی ہے؟"

"بے رَنگ پِیاؔ کیوں لکھا؟"

"کیا عشق لاحاصل ہے؟"

یہ وہ سوال تھے، جن کے باعث "بے رَنگ پِیاؔ" کا ظہور ہوا۔ بے رنگی تصوف میں ایک اصطلاح ہے۔ جس کے اظہار کے لئے میرے نزدیک کہانی کا پیرائیہ سب سے لطیف ترین صورت رکھتا ہے۔ کیونکہ کہانی اور علم لازم و ملزوم حیثیت رکھتے ہیں۔ "بے رَنگ پِیاؔ" لکھنے کی وجہ ایک ایسے فطری انسان کی تلاش ہے جسے کائنات کا حاصل کہا جاسکتا ہے یا وہ انسان جو اس دُنیا میں اپنا حقیقی کردار ادا کرتا ہے۔ عشق ہو اور وہ لاحاصل ہو، ایسا ممکن ہی نہیں ہے۔ کیونکہ عشق ہی وہ واحد قوت ہے جو رَبّ تعالی سے جوڑتی ہے۔ رَبّ تعالی کی منشاء و مرضی کیا ہے؟ اس دنیا کو رنگوں سے کیسے بھرنا ہے؟ انسان کے مصائب و مشکلات کو کس طرح کم کرتے چلے جانا ہے، یہ اہل عشاق ہی کا وطیرہ ہے۔

وہ عشق ہے بے رنگ، جس کا تعلق پاکیزگی سے ہو۔ فی زمانہ عشق کا حقیقی پن دور حاضر کی نفسانیت کے باعث اوجھل ہو گیا ہے۔ اب حقیقی عشق کی معنویت کو واضح کرنا ضروری ہو گیا ہے۔ کیونکہ نفسانیت کے لاحاصل پن کو عشق کا لاحاصل پن قرار دے دیا ہے۔ المیہ یہ ہے کہ عام طور پر یہ سمجھ بھی لیا گیا ہے کہ عشق لاحاصل ہے۔ جبکہ ایسا ہرگز نہیں۔ عشق کی اقدار کو وہی سمجھ سکتا ہے، جس نے عشق اُوڑھ لیا ہو۔ سمندر کنارے بیٹھنے والا، تیراک کی کیفیات و شعور کو نہیں سمجھ سکتا۔ بعض لوگ جس شے کو عشق سمجھ رہے ہیں، یہ عشق نہیں ہے۔ بلکہ "عشق کی سمجھ عشق کی عطا کرتا ہے"۔ یہ قول ہی بتا رہا ہے کہ عشق کا راز اہل عشق نے بے رنگی ہی میں پایا۔ اگر یہ محض ایک معاشرتی مسئلہ ہوتا تو ہر کس و ناکس کو عشق کی بے پایاں قوت میسر ہوتی۔ عشق وہ ہے جو توحید کا قائل ہے۔ جس عشق میں توحید نہیں وہ عشق نہیں، جو عشق رَبّ تعالی کے محبوب ﷺ سے نہیں ملاتا وہ عشق نہیں، جو عشق یزیدیت کے سامنے انکار کا پرچم بلند نہیں کرتا، وہ عشق نہیں۔ جو عشق انسانیت کو جوڑتا نہیں وہ عشق نہیں، جس عشق میں بے رنگی کا ظہور نہیں وہ عشق نہیں، جو عشق کائنات سے نہیں جوڑتا وہ عشق نہیں، میں یہ کہتا چلوں کہ نفسانیت کا کاروبار ہرگز عشق نہیں۔

بے رنگی ہے کیا؟ اس کسوٹی پر عشق کو پرکھنا، بہت آسان ہے۔ اگر عشق کی میزان پر عاشق عین معشوق نہیں ہے اور معشوق

https://paksociety.com

عین عاشق نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ عشق خام ہے۔جب عاشق عین معشوق بنتا ہے اور معشوق عین عاشق بنتا ہے تو نا عاشق رہتا ہے نہ معشوق رہتا ہے ،صرف عشق کی ذات باقی رہتی ہے۔ جس میں دوئی کی گنجائش نہیں رہتی اور یک جان و قالب کے مصداق بظاہر عشق معشوق نظر آتے ہیں لیکن دراصل وہ ماسوائے عشق کے اور کچھ بھی نہیں ہوتے۔عاشقی اور معشوقی کے تقاضے دم توڑ جاتے ہیں۔اور محض دوسرے کو اپنانے کا جذبہ باقی رہ جاتا ہے۔اس بات کی تفصیل "بے رَنگ پِیّا" میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔

"بے رَنگ پِیّا" لکھنے میں سب سے زیادہ روحانی معاملات اور مسائل تصوف کے لئے میری جنہوں نے مدد فرمائی،وہ جناب ضیاءالرحمن ضیاء چشتی قلندر رہیں۔جن کی روحانی معاملات پر دسترس "بے رَنگ پِیّا" میں آپ کو پوری طرح دکھائی دے گی۔میں سمجھتا ہوں کہ ان کی محافل میں مجھے بہت کچھ سمجھنے کا موقع ملا۔

"بے رَنگ پیا"،انسان سے انسان کو جوڑنے کا محبت بھرا پیغام ہے۔

امجد جاوید

میں شکر گزار ہوں

حضرت سید محمد ذیشان رسول شاہ بخاری صاحب سرکار کا جن سے مجھے بڑا حوصلہ اور جسم و جان کا گداز نصیب ہوا۔ آپ وہ ہستی ہیں، جنہیں میں نے ہمہ وقت اپنے قریب پایا۔ ان کی بے پایاں محبت میرے لئے سرمایہ ہے۔ میں ان کی محبت، پذیرائی اور شفقت کا شکر گزار ہوں۔

جناب سید سرفراز احمد شاہ صاحب کا جن کے درس و تدرس کے سلسلے میں مجھے بہت کچھ سمجھنے کو اور زیادہ تر سوچنے کو ملا۔ یہ جناب سرفراز احمد شاہ صاحب کا ہی حکم تھا کہ میں حضرت خواجہ نور محمد مہارویؒ سرکار کے ہاں حاضری دوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ وہ تعلق، سلسلہ اور ربط ہے جو جناب سید سرفراز احمد شاہ صاحب سے چلتا ہوا حضرت خواجہ نور محمد مہارویؒ سرکار تک جا پہنچا۔ شاید یہی سعادت راہِ سلوک کے مسافر کے حصے میں آتی ہے۔

جناب گل فراز احمد بھائی کا جو ہر طرح سے میری حوصلہ افزائی فرماتے ہیں۔ انہی کی بدولت یہ کاوش آپ تک پہنچی ہے۔ ان سے محبتوں کا ایک سلسلہ ہے۔

محترم ملک محمد حسین صاحب کا، جو میرے بھائی، محسن اور دوست ہیں۔ جن کا دم میرے لئے ہر لمحہ غنیمت ہے۔

محترمہ رخسانہ بشیر صاحبہ، جو بڑی بہن کے شفیق انداز میں میرا حوصلہ بڑھاتی ہیں۔

محترم نیئر صدیقی بھائی کا، آپ نے خلوص اور محبت سے میری راہنمائی فرمائی۔

محترم سید علی زین شاہ بخاری، سید حیدر رضا شاہ بخاری، کا، جن کی بدولت ایک پر سکون ماحول ملا۔

اپنی شریک حیات اور بچوں، سمن فاطمہ، احمد بلال، احمد جمال، عائزہ فاطمہ کا جن کے حصے کا وقت بھی میں نے لیا۔

پہلی قسط

"یار طاہر، مجھے آج تک یہ پتہ نہیں چلا کہ تمہیں لڑکی کس طرح کی پسند ہے؟"

اس دن بھی حسب معمول وہ تینوں دوست کیمپس کینٹین پر بیٹھے ہوئے تھے جب ساجد نے طاہر سے یہ پوچھا۔ یہ سوال معمول کی گفتگو سے بالکل ہٹ کر تھا۔ طاہر کو یہ سوال انتہائی فضول لگا۔ اسی لئے وہ فوراً جواب نہیں دے پایا۔ اُسے یہ سمجھ بھی نہیں آیا کہ اس طرح کا سوال کیا ہی کیوں؟ اس نے سوچتے ہوئے سامنے میز پہ دھرے پیکٹ میں سے سگریٹ لیا، اُسے سلگانے لگا تو منیب نے طاہر کی طرف دیکھ کر ہنستے ہوئے تبصرہ کیا

"ہاں نا، طاہر نے کبھی کسی لڑکی کے بارے اپنی پسند کا اظہار نہیں کیا۔"

"مطلب وہ آئیڈیل لڑکی جو اس کے خیالوں میں بستی ہے۔" ساجد نے کہا اور ہنس دیا۔

"یہ کوئی انکشاف نہیں ہو گا۔" طاہر اُلجھتے ہوئے بولا۔

"پھر بھی کوئی اندازہ تو ہونا چاہئے نا؟" ساجد نے خالص غنڈوں کی طرح آنکھ مارتے ہوئے اصرار کرنے والے لہجے میں پوچھا۔ طاہر نے بات نظر انداز کرتے ہوئے سگریٹ سلگا لیا۔ یوں جیسے اس کی بات کو دھوئیں کے ساتھ فضا میں اچھال دیا ہو۔ اسے ساجد کا سوال اور سوال کرنے کا انداز بالکل بھی اچھا نہیں لگا تھا۔ جبکہ وہ دونوں تجسس سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

دوپہر کے وقت وہ کیمپس کی اس کینٹین پر بیٹھے ہوئے تھے جو ان کا ہی نہیں، ان جیسے بہت سارے لوگوں کا ٹھکانہ تھا۔ دراصل کینٹین ایسی جگہ پر تھی جہاں کیمپس کا مرکزی بس سٹاپ بالکل سامنے تھا۔ صبح سے لیکر رات گئے تک کیمپس کی بسیں آ کر وہاں رکتیں اور وہیں سے چلتیں تھیں۔ اس سٹاپ پر لڑکے اور لڑکیوں کا ہجوم جمع رہتا۔ خاص طور صبح اور دوپہر کے وقت بہت زیادہ رش ہوتا تھا۔ یہ کینٹین وہ پوائنٹ تھا جہاں آنکھیں سینکنے والے تو بیٹھے ہی رہتے تھے۔ کھانے پینے والے بھی اسی جگہ کو ترجیح دیتے تھے۔ وہ بھی شروع شروع میں اسی مقصد کے لئے بیٹھنے لگے تھے۔ پھر آنکھیں سینکنے والی دلچسپی تو نہ رہی، مگر کینٹین ان تینوں کا مستقل ٹھکانہ بن گئی۔ ان کے جاننے والے سبھی لوگوں کو یہ معلوم ہوتا تھا کہ کلاس کے بعد ان تینوں میں سے کوئی نہ کوئی یہاں ضرور مل جائے گا۔

https://paksociety.com https://paksociety.com

اس دن ساجد نے جو اس طرح کا سوال کیا تو طاہر کو بہت عجیب لگا۔ اور اس پر عجیب تر اس وقت لگا جب منیب نے بھی اس کا ساتھ دیتے ہوئے اپنی ضد جاری رکھی۔ طاہر جب کچھ نہ بولا تو اس نے زور دیتے ہوئے جھنجھلا کر کہا

"یار جب بچہ کہہ رہا ہے کہ تمہیں کیسی لڑکی پسند ہے تو بتا دو، اس میں کنواری لڑکیوں جیسا شرمانے کی ضرورت کیا ہے۔"

"اگر میں بتا بھی دوں کہ مجھے کیسی لڑکی پسند ہے تو پھر ہو گا کیا؟" اس نے بھیجنواہ مخواہ کی بحث کرتے ہوئے کہا تو ساجد بھی سنجیدگی سے اس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے حتمی لہجے میں بولا

"دیکھو، میں تم سے یہ سوال یونہی فضول میں نہیں کر رہا۔ میرا اس سوال پوچھنے کا کوئی مقصد ہے، تم بتاؤ گے تو بات آگے بڑھے گی نا۔"

اس پر طاہر چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا، جیسے اس کی بات کا یقین کر رہا ہو کہ وہ واقعی ہی سچ کہہ رہا ہے یا محض اپنی ضد کی خاطر اداکاری کر رہا ہے۔ پھر ایک دم سے بولا۔

"تم جانتے ہو لڑکی میرے لئے کبھی مسئلہ نہیں رہی اور نہ میں ان پر توجہ دیتا ہوں۔ کیمپس میں کتنی لڑکیاں ہیں، میں نے کس پر کتنی توجہ دی یہ تم لوگ بھی جانتے ہو۔ میں ایک زمیندار کا بیٹا ہوں اور مجھے سیاست کرنی ہے، یہ لڑکیوں والی فضول حرکتیں نہیں۔ میری دولت سیاست کے لئے ہے اور یہاں رہتے ہوئے۔۔۔"

"او خدا کے لئے یار۔! مجھے تیرا تاریخ جغرافیہ نہیں سننا، میں جانتا ہوں تم پیسے کے زور پر کچھ بھی کر سکتے ہو، میرا سوال یہ نہیں، میں نے تو فقط اتنا پوچھا ہے میری جان، تمہیں لڑکی کس طرح کی پسند ہے؟" اس نے طاہر کی بات کاٹ کر اکتائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"تو پھر سنو۔! مجھے ایسا کوئی آئیڈیا نہیں ہے، کیونکہ میں نے کبھی ایسا نہیں سوچا۔" اس نے بالکل سچ کہہ دیا۔

"طاہر، تم اس بات کو فضول مت سمجھو، جس طرح ہر لڑکی یا لڑکے کا ایک آئیڈیل ہوتا ہے اور یہ ایک فطری سی بات ہے۔ بس تم سوچ کر یہی جواب دو۔ تمہیں کس طرح کی لڑکی اچھی لگتی ہے؟" منیب نے یوں کہا جیسے اس سوال کے جواب میں کوئی بڑی اہم بات پوشیدہ ہے۔

"کوئی تو آئیڈیل ہو گی تمہاری، کوئی خوابوں کی شہزادی، جس کے ساتھ تم زندگی کی راہوں پر چلنا چاہتے ہو گے۔" ساجد نے سنجیدگی سے کہنا چاہا لیکن وہ اپنی مسکراہٹ پر قابو نہ رکھ سکا تو طاہر کو ایسا لگا کہ کوئی شرارت ہے جو اُن کے دماغ میں چل رہی ہے۔ اس لئے اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے سکون سے کہا

"نو آئیڈیا اور نہ کوئی آئیڈیل۔"

اس کے انکار پر ساجد نے اُلجھتے ہوئے ادھر ادھر دیکھا۔ جیسے بے بسی کے ساتھ اُسے غصہ بھی آ رہا ہو۔ پھر ایک دم سے بس سٹاپ کی طرف دیکھ کر سمجھانے والے انداز میں بولا۔

"چلو ایسا کرو۔ وہ دیکھو، سامنے بس سٹاپ ہے نا، اس پر کافی ساری لڑکیاں کھڑی ہیں، انہیں غور سے دیکھو، ان سب میں سے تمہیں کون سی لڑکی سب سے اچھی لگتی ہے، کوئی ایک تو پر کشش لگے گی تمہیں۔"

"اس سے کیا ہو گا؟" طاہر نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

"یار کم از کم تمہاری پسند کے بارے اندازہ تو ہو جائے گا۔" منیب نے سنجیدگی سے کہا۔

"تم سے ایک بے ضرر سا سوال کیا ہے اور تم ہو کہ لڑکیوں کی طرح شرما رہے ہو، حالانکہ شرم تمہیں چھو کر نہیں گزری۔" ساجد نے کہا۔

"یہ شرم، حیا، سنجیدگی تم سے پناہ مانگتی ہیں۔" منیب نے طنزیہ لہجے میں کہا تو اسے لگا کہ اب یہ دونوں خواہ مخواہ کی بکواس شروع کر دیں گے۔ اس کے خیال میں بتا دینے میں بھی کوئی حرج نہیں تھا۔ اگر کوئی فضول بات ہوئی تو پھر وہ انہیں دیکھ لے گا۔ تبھی اس نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں روکتے ہوئے کہا۔

"اچھا بتاتا ہوں، لیکن اگر کوئی بات نہ ہوئی تو پھر تم دونوں کو پتہ ہے میں تمہارے ساتھ کیا کر سکتا ہوں۔"

"یہ ہوئی نا بات۔" ساجد ایک دم خوش ہو کر بولا تو منیب نے اسی یقین دلایا۔

"میں قسم کھاتا ہوں کہ بات ہے اور وہ بھی بہت اہم قسم کی، تم خود کھو گے یار کہ بات اہم ہے۔"

"دیکھو، مثال کے طور پر۔۔۔۔" یہ کہتے ہوئے اس نے بس سٹاپ پر کھڑی لڑکیوں کی جانب اشارہ کر کے کہا، "ان میں سے کوئی ایک، جو تمہیں سب سے اچھی لگے، اور تم اُسے اِن سب میں سے نمبر ون قرار دے سکو، مطلب تمہیں جو سب سے خوبصورت دکھائی دے رہی ہے، بس اتنا۔"

"اوکے۔" طاہر نے سنجیدگی سے کہا اور پلٹ کر سامنے بس سٹاپ پر دیکھنے لگا۔

وہاں بہت سارے لڑکوں کے درمیان کافی ساری لڑکیاں تھیں۔ ہر کوئی اپنی اپنی جگہ خوبصورت اور اچھی تھی۔ تبھی طاہر کی نگاہ ایک ایسی لڑکی پر پڑی جو اِن سب میں سے بالکل منفرد تھی۔ بھرے بھرے بدن والی، گورا رنگ، بوائے کٹ گیسو، جس سے اس کی شفاف گردن صاف دکھائی دے رہی تھی۔ گول چہرے پہ نقوش کافی حد تک تیکھے تھے۔ اس نے میک اپ تو کیا، لبوں پر لپ سٹک تک نہیں لگائی ہوئی تھی۔ ملائیشین طرز کا کھلا کُرتا، نیلی جینز اور سیاہ رنگ کا سلیپر نما جوتا پہنا ہوا تھا۔ پہلی نگاہ میں اس کے جسم کے نشیب و فراز بارے کوئی حتمی اندازہ نہیں لگایا جا سکتا تھا۔ آنچل نام کی کوئی چیز اس کے شانوں پر نہیں تھی۔ بس ایک چھوٹا سا بیگ

https://paksociety.com https://paksociety.com

تھا جو دائیں کاندھے پر لٹک رہا تھا۔ اس نے چند لمحے اس لڑکی کو دیکھا، تب اسے بھی شرارت سوجھی۔ طاہر نے اسی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا

"وہ لڑکی، وہ جس نے ملائیشین کرتا پہنا ہوا ہے۔ وہ والی، مجھے ان سب میں سے اچھی لگی ہے۔"

"وہ، موٹی، پھیکی ڈبل روٹی، جس کا پتہ نہیں چل رہا کہ وہ لڑکی ہے یا لڑکا؟" ساجد نے انتہائی حیرت سے بے ساختہ کہا

"اوئے، ایسی ہے تیری پسند، آئے ہائے۔! مایوس کیا تو نے تو یار، یہ ہے تیری پسند؟" منیب نے منہ بناتے ہوئے تبصرہ کیا۔

"تم دونوں تو اس طرح کہہ رہے ہو کہ جیسے تم لوگ میرے لئے کوئی رشتہ لئے بیٹھے ہوئے ہو اور اب تمہیں مایوسی ہو رہی ہے۔" اس نے یونہی کہا تو منیب نے چونکتے ہوئے کہا۔

"ہاں نا، رشتہ ہے۔" پھر یوں رُک گیا جیسے اسے خیال آ گیا ہو کہ ایسی بات نہیں کرنی۔ تبھی اس نے کہا، "چھوڑ یار، بس ختم کر۔"

"کیوں چھوڑوں، وہ مقصد بتاؤ جس کے لئے میری پسند پوچھی تھی؟" اس نے ضد کرتے ہوئے کہا، وہ سمجھ تو گیا تھا کہ کوئی بات ہے ضرور، پر اس وقت وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ دونوں کرتے کیا ہیں۔ تبھی ساجد نے سر مارتے ہوئے کہا۔

"اصل میں ہمارے پاس ایک آپشن تھا، لیکن اب کوئی فائدہ نہیں۔ اس بات کو یہیں ختم کر دو، بلکہ دفن ہی کر دو۔" ساجد کے یوں کہنے پر اسے لگا کہ انہیں واقعی ہی مایوسی ہوئی ہے اور اسے دکھ بھی ہے۔ مگر اب وہ ان کا پیچھا چھوڑنے والا نہیں تھا۔

"بکواس کرتے ہو تم دونوں ہی، بلکہ 'چَولیں' مار رہے ہو۔ یہ تم دونوں کو ماننا ہو گا۔" طاہر نے ایش ٹرے میں سگریٹ بجھاتے ہوئے کہا۔

"یار بات تو تھی۔ میں نے قسم بھی کھائی تھی۔ لیکن اب اس بات کے کہنے کا کوئی فائدہ نہیں، چھوڑو۔" منیب نے بجھے ہوئے لہجے میں کہا

"مگر اب بتانا تو ہو گا۔ چاہے فائدہ ہو یا نہیں۔" اس نے ان کی طرف دیکھ کر ضدی لہجے میں کہا۔

"ایک شرط پر بتاؤں گا، اگر تم اپنی پسند کی اُس حور پری کو یہاں لا کر چائے، کافی یا ٹھنڈا کچھ بھی پلا دو۔" ساجد نے جان چھڑانے والے انداز میں کہا تو اسے ان پر ایک دم ہی بہت زیادہ غصہ آ گیا۔ وہ تنتناتے ہوئے لہجے میں بولا۔

"اب یہ دونوں کی پہلے سے بھی زیادہ فضول اور احمقانہ حرکت ہے۔ بچوں جیسی حرکت، یہ کیسی فضول شرط ہے، اگر وہ لڑکی تمہیں بری لگی ہے تو یہ تمہاری سوچ ہے۔ اور تمہارے سوال میں یہ شرط نہیں تھی کہ میں اسے یہاں لاؤں، کھلاؤں پلاؤں۔ بکواس کرتے ہو تم دونوں۔ یہاں سے اٹھ کر چلے جاؤ، یا پھر میں تم میں دونوں کا سر پھاڑ دوں گا۔" طاہر کو ایک دم سے ان پر غصہ آ گیا۔ اس

https://paksociety.com https://paksociety.com

کا دماغ گھوم گیا تھا کہ اتنی دیر سے فضول بات کرنے کے بعد وہ ایسا کہیں گے۔ طاہر واقعی آپے سے باہر ہو گیا تھا۔ اسے یہ سوچ کر شدید دکھ ہوا تھا کہ یہ دونوں اس سے کھیل رہے ہیں۔ جیسے وہ ان کے لئے کوئی کھلونا ہو۔ اسی لمحے منیب نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا اور معذرت خواہانہ لہجے میں بولا۔

"طاہر پلیز، غصہ مت کرو، میں تمہیں تفصیل ابھی بتا دیتا لیکن ابھی تمہارا موڈ ٹھیک نہیں۔"

"گولی مارو موڈ کو، بات بتاؤ یا پھر دفعہ ہو جاؤ۔" اس نے غصے میں کہا تو ساجد تیزی سے بولا۔

"چلو ٹھیک ہے۔ میں بتا دیتا لیکن بات وہی ہے، اُسے یہاں لا کر۔۔۔۔"

ساجد کی ہٹ دھرمی پر اس کا دماغ گھوم کر رہ گیا۔ اس نے انتہائی غصے میں بنا سوچے سمجھے کہا۔

"میں نے یہ بھی کر دینا ہے لیکن تمہارے پاس پھر بھی کوئی بات نہیں ہو گی اور اگر ایسا ہوا تو میں نے تمہارا سر پھاڑ دینا ہے، اور تم جانتے ہو کہ مجھے ایسا کرنے سے کوئی نہیں روک سکتا، میں تم سے۔۔۔۔"

تبھی ساجد نے طاہر کی بات کاٹتے ہوئے تیزی سے کہا۔

"اگر کوئی بات نہ ہوئی اور وہ بات اہم بھی نہ ہوئی، تب تم جو چاہے سزا دے لینا، جیسا جرمانہ چاہے کر لینا، جو تمہارے جی میں آئے کرنا۔"

"اوکے، ڈن ہے؟" اس نے حتمی لہجے میں ساجد کی آنکھوں میں دیکھ کر پوچھا

"ڈن۔" ساجد نے بھی جوش میں کہہ دیا۔ طاہر نے ایک لمحے کی بھی تاخیر نہیں کی اور اٹھ گیا۔ اس کا خیال تھا کہ اگر ان کے پاس کوئی معقول بات نہ ہوئی تو اس کے یوں اٹھنے پر وہ اسے روک لیں گے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔

چند قدم چل آگے بڑھ جانے کے بعد طاہر کو احساس ہوا کہ وہ کیا کرنے جا رہا ہوں۔ اس کے دوستوں نے اسے غصہ دلایا اور وہ بے وقوفوں کی طرح اس لڑکی کو دعوت دینے چل دیا۔ اس دعوت کا ردعمل کیا ہونے والا تھا، اس کا اندازہ اسے بخوبی تھا۔ ہمارے معاشرے میں ایک اجنبی لڑکا، کسی اجنبی لڑکی کو جا کر چائے کی دعوت دے تو گالیاں کھانے اور بے عزت ہونے والی احمقانہ حرکت ہی تو ہے۔ یہ نسوانی فطرت ہے کہ وہ یوں کسی اجنبی پر بھروسہ نہیں کرتی، چاہے وہ جتنا مرضی ایڈوانس، بولڈ اور بااعتماد ہو۔ وہ تیزی سے سوچ رہا تھا کہ کسی طرح بچ جاؤں۔ لیکن بڑھتے ہوئے قدموں کے ساتھ اسے کچھ بھی نہیں سوجھ رہا تھا۔ اس کا دوران خون تیز ہو گیا۔ اس کے لاشعور میں اتنی بات ضرور تھی کہ اس قدر ماڈرن اور ایڈوانس لڑکی جیسا کہ اس کے حلیے سے ظاہر ہو رہا تھا، ایک دم سے گلے نہیں پڑے گی۔ مان گئی تو ٹھیک ورنہ وہ انکار ایسے نہیں کرے گی کہ سٹاپ پر کھڑے سب لوگوں کو پتہ چل جائے۔ وہ تحمل سے بات ضرور سن لے گی۔ یہی سوچتے ہوئے اس نے خود پر قابو پایا اور بڑھتا چلا گیا، یہاں تک کہ وہ بس سٹاپ پر کھڑی اس لڑکی

کے قریب پہنچ گیا۔ اس نے جاتے ہی اس سے بڑے نرم لہجے میں جھجکتے ہوئے کہا۔

"السلام علیکم۔"

لڑکی نے اس کے چہرے پر غور سے دیکھا، پھر لمحہ بھر دیکھتے رہنے کے بعد نرم لہجے میں جواب دیا

"جی وعلیکم السلام۔"

اس کا حوصلہ بڑھ گیا۔ اس لئے وہ اعتماد سے بولا۔

"دیکھیں، میں جانتا ہوں کہ ہمارے درمیان کوئی شناسائی نہیں ہے اور ہم اجنبی ہیں۔ میں آپ سے ایک بات کرنا چاہتا ہوں۔ اگر آپ برا محسوس نہ کریں اور آپ کو جلدی نہ ہو تو پلیز۔۔۔۔"

"جی بولیں، آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔" اس نے طاہر کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اسی نرم لہجے میں پوچھا تو وہ خود پر قابو پاتے ہوئے بولا۔

"یہاں کھڑے رہ کر بات کرنا کچھ عجیب سا لگے گا۔ اگر آپ چند قدم وہاں کینٹین تک چلیں، وہاں سکون سے بیٹھ کر بات ہو سکتی ہے۔"

اسے لگا کہ وہ لڑکی اس کے چہرے پر دیکھ کر جیسے کچھ مسکرا رہی ہے لیکن اس کا دھیان کسی دوسری طرف ہے لڑکی کے چہرے پر نرماہٹ تھی، سکون تھا، اور مسکراہٹ یوں لگ رہی تھی، جیسے کسی معصوم بچے کی بات پر کوئی سمجھ دار رد عمل دیتا ہے۔ چند لمحے بعد وہ ہلکے سے لہجے میں بولی۔

"چلیں۔"

اس قدر آسانی سے مان جانے پر اسے خود بڑا عجیب سا لگا جہاں بچ جانے کے احساس سے اس نے بے ساختہ اطمینان بھری ایک طویل سانس لی۔ وہاں جیت کے خمار نے اس میں خوشی بھر دی تھی۔

وہ اس کے ساتھ چلتی ہوئی، کینٹین تک آ گئی۔ ایک میز کے گرد خالی کرسیوں پر بیٹھتے ہوئے اس نے انتہائی مودب لہجے میں پوچھا

"چائے، کافی یا ٹھنڈا؟"

"جو آپ کا دل چاہے۔" اس لڑکی نے کندھے اُچکاتے ہوئے عام سے لہجے میں کہا تو اس نے فریش جوس کا آرڈر دے دیا تو لڑکی نے بڑی متانت سے پوچھا۔

"جی، بولیں کیا کہنا ہے آپ نے؟"

https://paksociety.com https://paksociety.com

"بتاتا ہوں، ذرا آپ سے بات کرنے کا حوصلہ تو جمع کر لوں، جوس سے میرا حلق تر ہو گا تو بات نکلے گی نا۔" اس نے فطری خوشگوار انداز میں کہا۔

"بات، اس قدر خشک ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

"شاید۔" اس نے کہا تو وہ بولی۔

"چلیں جیسے آپ کی مرضی۔"

اُن دونوں میں اس وقت خاموشی چھائی رہی، جب تک ویٹر جوس نہیں لے آیا۔ لڑکی نے گلاس اپنے سامنے رکھا اور ایک سپ لے کر طاہر کی طرف دیکھنے لگی۔ تبھی اس نے چند سپ لینے کے بعد جھجکتے ہوئے کہا

"مجھے نہیں معلوم کہ آپ کا نام کیا ہے اور آپ کون ہیں۔ میں نے شاید آج آپ کو پہلی دفعہ دیکھا ہے۔ ہم کچھ دوست یہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ اب بھی میری دائیں جانب وہ بیٹھے ہوئے ہیں اور یقیناً ہمیں دیکھ رہے ہوں گے۔" اس نے کہا تو لڑکی کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی اور ادھر ادھر دیکھے بغیر شائستہ لہجے میں بولی

"آپ میں شرط کے جیسی کوئی بات ہوئی ہو گی اور آپ مجھے یہاں لے آئے۔ ایسے ہی ہے نا؟"

"آپ کو کیسے پتہ؟" اس نے حیرت سے پوچھا

"ایسی ہی معصوم اور احمقانہ قسم کی شرطیں کیمپس میں لگتی ہی رہتی ہیں۔ کیا آپ کا یہ پہلا سال ہے؟"

"نہیں، دوسرا سال ہے اور وہ بھی ایم فل کا۔" طاہر نے مسکراتے ہوئے کہا

"مطلب کافی پرانے ہیں اس کیمپس میں۔" وہ بھی لبوں پر مسکان لاتے ہوئے بولی۔

"اور آپ؟" طاہر نے پوچھا

"میری چھوڑیں، آپ نے میرے بارے میں جان کر کیا کرنا ہے۔" یہ کہہ کر اس نے لمحہ بھر کو سانس لیا پھر بولی۔

"میرا خیال ہے کیمپس سے جاتے ہوئے اب یہ شرارتیں کرنے کا دل چاہتا ہو گا، ورنہ تو یہ کیمپس کے پہلے دوسرے سال کی باتیں جو آپ لوگ اب کر رہے ہیں۔"

"نہیں بس، ان کی باتوں میں پھنس گیا ہوں۔ اپنے غصے کی وجہ سے۔ خیر۔! آپ کا اتنا اچھا رویہ دیکھ کر میرا دل چاہ رہا ہے کہ آپ کو اچھا سا کھانا کھلاؤں۔" اس نے پورے خلوص سے اسے دعوت دے ڈالی، لیکن اس کے ساتھ اسی لمحے اس کے ذہن میں خیال آیا تو وہ جلدی سے بولا، "پلیز یہ مت سوچئے گا کہ جیسے وہ مردوں کی عادت ہوتی ہے نا کہ انگلی تھماؤ تو۔۔۔ میں پورے خلوص سے آپ کو ٹریٹ دینے کی آفر کر رہا ہوں، تھینکس کے لئے پلیز۔"

https://paksociety.com https://paksociety.com

"کوئی بات نہیں میں سمجھ رہی ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے سپ لیا۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ ایک دم سے اجنبی لگنے لگی تھی۔ جیسے اس کے چہرے پر زبر دستی کی مسکراہٹ ہو لیکن اس میں بہت سارا حزن و ملال بھی شامل ہو چکا ہو۔ ایک عجیب سی نہ سمجھ آنے کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ اس نے دو چار سپ لئے، چند لمحے سوچتی رہی پھر سر اٹھا کر بولی۔

"ابھی کھانا کھلاؤ گے یا پھر کسی دن؟"

"جب آپ چاہیں، چاہیں تو ابھی سہی۔"

"اسی کینٹین سے؟" اس لڑکی نے خوش دلی سے پوچھا تو اسے یوں لگا جیسے وہ طنز کر رہی ہے۔ تبھی طاہر نے گڑبڑاتے ہوئے کہا

"یہ تو ابھی طے ہی نہیں ہوا کہ آپ کھانا کھائیں گی، اس کے بعد ہی طے ہو گا نا کہ کس ریستوران سے کھائیں گے یا۔۔۔؟"

"مطلب آپ شہر کے کسی ریستوران میں کھانا کھلانا چاہتے ہیں؟" لڑکی نے پوچھا تو طاہر نے شہر کے بہترین ریستوران کا نام بتایا تو وہ سر ہلاتے ہوئے بولی۔

"میں نے اس شہر کا کوئی ریستوران ٹرائی نہیں کیا۔ آپ کہتے ہیں تو ٹھیک ہے، مجھے شہر جانا ہے۔ کیا ہم ابھی جا رہے ہیں؟" اس نے یوں کہا جیسے وہ تیار بیٹھی ہو۔ طاہر کو بھی اس کا یہ بے تکلفانہ انداز اچھا لگا تھا۔

"ٹھیک ہے، آپ اب بس میں نہیں، میرے ساتھ کار میں جائیں گی۔ میں پارکنگ سے کار یہاں سامنے لاتا ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے اٹھتے ہوئے کہا تو لڑکی نے اپنا سر اثبات میں ہلا دیا۔

طاہر اسے اپنے ساتھ پارکنگ میں لے جا سکتا تھا۔ لیکن اس نے ساجد اور منیب کو فون کرنا تھا۔ اس نے سیل فون نکالا اور ساجد کو کال کی۔ اس نے فوراً رسیو کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں بول۔"

"اب میں تیری اس لگتی کو کھانا کھلانے لے جا رہا ہوں۔ پھر آ کر پوچھتا ہوں، بلکہ اب تو 'ڈیرے' پر ہی بات ہو گی اور اگر کوئی بات نہ ہوئی تو سمجھ لے تیری آج خیر نہیں پتر۔" طاہر نے دانت پیستے ہوئے کہا پھر ریستوران کا نام بتاتے ہوئے اس کی کوئی بات سنے بغیر کال بند کر دی۔

طاہر پارکنگ تک گیا اور کار لے کر کینٹین کے سامنے آ گیا۔ ساجد اور منیب دونوں ہی وہیں نہیں تھے۔ لڑکی نے اسے کار میں بیٹھا ہوا دیکھا اور بڑھ آئی۔ طاہر جلدی سے اترا، اس نے پسنجر سیٹ کا دروازہ کھولا، اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود ڈرائیونگ سیٹ پر جا بیٹھا۔ وہ پسنجر سیٹ پر بیٹھی تو ایک مہنگے پرفیوم کی مہک چاروں طرف یوں پھیلی جیسے کار اسی مہک سے بھر گئی ہو۔ اس نے کار بڑھا

https://paksociety.com https://paksociety.com

دی۔ کیمپس سے نکلتے ہوئے اس نے اپنا تعارف کرایا۔

"مجھے طاہر حیات باجوہ کہتے ہیں۔ میرا میڈیا ڈیپارٹمنٹ ہے اور ایم فل کے آخری سال میں صرف دو تین ماہ رہ گئے ہیں۔"

"اور میرا نام آیت النساء ہے۔ سب مجھے آیت کہتے ہیں۔" اس نے سامنے دیکھتے ہوئے کہا

"یہ تھوڑا منفرد سا نام نہیں ہے؟" اسے واقع ہی اس کا نام کچھ الگ سا لگا تھا۔

"یہ نام میرے دادا جی نے رکھا تھا۔ وہ مجھ سے بہت پیار کرتے ہیں۔ خیر، مجھے تو یہ نام بہت اچھا لگتا ہے۔ عربی میں ہے اور اس کا مطلب، عورتوں کی علامت، بنتا ہے یا کہہ لیں مثالی عورت۔"

"آپ کے دادا نے پیار سے رکھا ہے تو بہت پیارا ہے۔" اس نے اپنی رائے دی تو ان میں خاموشی چھا گئی۔

شہر کے مہنگے ریستوران میں اس کی پسند کا کھانا کھا لینے کے بعد جب طاہر بل دے چکا تو اس وقت ساجد اور منیب بھی آ گئے۔ ظاہر ہے وہ تصدیق کرنے آئے تھے۔ وہ ان کی طرف نہیں آئے بلکہ ساتھ والی میز پر بیٹھ گئے۔ طاہر نے ان کی طرف توجہ دیئے بغیر آیت سے کہا۔

"میں پھر سے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے میری۔۔۔"

"کوئی بات نہیں طاہر، اس میں شکریہ والی کون سی بات ہے۔" اس نے سکون سے تو کہا مگر اسے لگا جیسے وہ بات تو اس سے کر رہی ہے لیکن اس کا دھیان کسی دوسری طرف ہے۔

"پھر بھی، آپ کو معلوم ہے کہ ہمارے اس معاشرے میں یوں کسی لڑکی سے کہنا، آپ میچور ہیں اور بات کو سمجھ گئی تو میری عزت رہ گئی ورنہ دونوں طرف سے بے عزت ہو جاتا۔ میں بہر حال آپ کا شکر گزار ہوں۔" اس کے لہجے میں ممنونیت بھری ہوئی تھی۔

"اگر آپ واقع ہی میرے مشکور ہیں تو آپ میری تھوڑی مدد کریں گے؟" آیت النساء نے اچانک سنجیدہ ہوتے ہوئے پوچھا

"جی بولیں۔" طاہر نے کہا۔

"مجھے ایک جگہ کام ہے، آپ میرے ساتھ وہاں تک چلیں گے؟" اس نے پوچھا۔

"جی کیوں نہیں، چلیں۔" اس نے اٹھتے ہوئے کہا تو وہ اپنا پرس سنبھالتے ہوئے اٹھ گئی۔

وہ کچھ دیر یونہی سڑکوں پر پھرتے رہے۔ طاہر نے اچھی طرح یہ بھانپ لیا تھا کہ اسے نہیں پتہ تھا کہ کہاں جانا ہے۔ طاہر نے بھی نہیں پوچھا۔ یہاں تک کہ اسے ایک جیولر کی دوکان دکھائی دی۔ تبھی اس نے وہیں رک جانے کا کہا۔ وہ اسے جیولر کی دوکان میں لے گئی۔ کاؤنٹر پر موجود جیولر کے سامنے بیٹھ کر اس نے اپنی کلائی میں موجود کنگن اُتار کر کاونٹر پر رکھ دیا۔

"مجھے یہ کنگن بیچنا ہے؟"

جیولر نے وہ کنگن اٹھایا۔ پارس پر رگڑ کر اپنی تسلی کی، تولا، اچھی طرح اطمینان کیا، کچھ دیر بعد اس نے کنگن کی قیمت بتائی۔ جسے سن کی آیت کے چہرے پر عجیب سا دکھ پھیل گیا۔ انہی لمحات میں طاہر کو احساس ہوا جیسے وہ یہ کنگن ضرورت کے لئے بیچ رہی ہے۔ اسے کیا ضرورت ہو سکتی ہے؟ یہ تو معلوم نہیں تھا لیکن وہ اس کی مدد کر سکتا تھا۔

"چلیں، ٹھیک ہے۔" آیت نے جیولر سے کہا تو طاہر بولا۔

"ایک منٹ، ہم ذرا مشورہ کر لیں۔"

اس کے یوں کہنے پر آیت نے طاہر کی طرف دیکھا اور کنگن پکڑ کر اٹھ گئی۔ وہ دوکان سے باہر آ گئے۔ طاہر نے پسنجر سیٹ کی طرف والا دروازہ کھولا اور آیت کو کار میں بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ بیٹھ گئی۔ طاہر نے کار بڑھاتے ہوئے پوچھا

"وہ اس کنگن کی قیمت کم دے رہا تھا نا؟"

"کافی حد تک کم۔" آیت نے سر سراتے ہوئے کہا، جیسے وہ بہت دُکھی ہو۔

"تمہارے خیال میں کتنا کم؟' اس کے پوچھنے پر آیت نے اندازاً رقم بتائی، جو اتنی زیادہ نہیں تھی۔

"یہ ڈیش بورڈ کھولو، اس میں رقم پڑی ہے، اپنی ضرورت کے مطابق لے لو۔" طاہر نے اس سے کہا

آیت نے ایک لمحے کے لئے طاہر کی طرف دیکھا، چند لمحے سوچتی رہی پھر ڈیش بورڈ کھولا اس میں پڑی نوٹوں کی گڈی میں سے اتنے ہی نوٹ لئے، جتنے اس جیولر نے بتائے تھے۔ پھر وہ کنگن باقی نوٹوں کے ساتھ رکھتے ہوئے بولی

"آپ جس طرح کی مدد کرنا چاہ رہے ہو، میں اسے پسند نہیں کرتی اور نہ ہی ایسا آج تک میں نے قبول کیا ہے۔"

"کنگن رہنے دو، اسے اُدھار سمجھ لو، بعد میں دے دینا۔" اس نے خلوص سے کہا

"کہا نا، میں اسے پسند نہیں کرتی ہوں۔ مجھے کنگن بیچنا تھا، جیولر کو نہ سہی آپ کو سہی۔" اس نے دھیمے لہجے میں کہا پھر ایک دم خوشگوار لہجے میں بولی، "آپ اسے گروی سمجھ لو۔"

"جیسے آپ کی مرضی، لیکن آپ کو میری ایک بات ماننا ہو گی۔" طاہر نے کہا تو وہ بولی۔

"بولیں؟"

"آپ کچھ رقم مزید لے لیں۔ پلیز" طاہر نے کہا تو وہ آیت نے چند لمحے سوچا، پھر ڈیش بورڈ سے کچھ مزید بڑے نوٹ لے کر اپنے پرس میں رکھتے ہوئے بولی۔

"اب آپ مجھے یہیں اتار دیں۔"

https://paksociety.com https://paksociety.com

"کیمپس واپس نہیں۔۔۔؟" طاہر نے پوچھا

"نہیں مجھے یہاں ایک کام جانا ہے۔" اس نے کہا تو طاہر نے کار سڑک کنارے روک دی۔ تب وہ اترتے سے پہلے بولی

"طاہر، میرا شکر گذار ہونے کی ضرورت نہیں اور نہ ہی میں آپ سے شکریہ کہوں گی۔ کیونکہ میں اور آپ اتفاق سے نہیں ملے۔"

"اتفاق سے نہیں مطلب پلان سے؟" وہ گڑبڑاتا ہوا بولا

"تم شاید نہ سمجھ سکو، لیکن مجھے یقین ہے کہ یہ کسی کی مرضی تھی کیونکہ یہ اتفاق ہو نہیں سکتا۔"

"میں سمجھا نہیں، مطلب، آپ کیسے کہہ رہی ہو کہ ہم تو اتفاق۔۔۔" اس نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی کیونکہ آیت بول پڑی تھی۔

"نہیں ایسا نہیں ہے۔ شاید آپ، جوس یا کھانے کی آفر قبول کرنے کو میرا اعتماد، بولڈ نیس یا کچھ اور سمجھو۔ ایسا نہیں ہے۔" آیت نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تو پھر کیا تھا، پلیز مجھے بتائیں۔" وہ کنفیوژ ہوتا ہوا بولا۔

"اچھا تو پھر سنیں، اس وقت میرے پاس کھانے کے لئے پیسے نہیں تھے۔ میں نے ناشتہ بھی نہیں کیا ہوا تھا۔ مجھے بھوک لگی ہوئی تھی۔ میں نے یہ کنگن بیچ کر اپنی ضرورت پوری کرنا تھی۔ ڈیش بورڈ سے زیادہ میں نے اس لئے نہیں لئے کہ مجھے لگتا ہے میری ضرورت اسی میں پوری ہو جائے گی۔ خدا حافظ۔" یہ کہتے ہوئے وہ کار سے اتر گئی۔ سڑک کنارے جا کر اس نے قریب کھڑے ایک رکشے کو آواز دی اس میں بیٹھی اور چلی گئی۔ وہ اسے حیرت سے دیکھتا رہا، یہاں تک کہ رکشہ نگاہوں سے اوجھل نہیں ہو گیا۔ طاہر نے ایک لمبی سانس لی اور کار بڑھا دی۔ آیت اسے کافی حد تک پر اسرار لگی تھی۔ اس وقت وہ اپنے دوستوں کو بھول ہی گیا، جن کی وجہ سے آیت ملی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

جاری ہے

اس قسط پر آپکی قیمتی رائے کا انتظار رہے گا۔

https://paksociety.com